Fikr-o-Nasar (Islamabad) 6:1 (1968)

افکار و آرا

قرآنی نظریہ اور حلت سُود مفرد

مسئلہ سُود در سُود کی حرمت کا بالکل ہی واضح ہے۔ کسی کو اختلاف نہیں۔ اس لئے کہ اس طریق میں سود خوار کا دل سخت سے سخت ہوتا جاتا ہے اور مقروض کی پریشانی میں اضافہ پر اضافہ۔ یہی وجہ ہے کہ سود در سود خوار کو "ظالم" کہا گیا ہے ——— تمام علماء بنک کے سود مفرد کو بھی حرام قرار دیتے ہیں۔ البتہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کا اصرار ہے کہ مسلمانوں اور مسلم حکومتوں کی مالی پستی اور زبوں حالت کے پیش نظر اس قدر رعایت کی جائے کہ بنک سے سود پر قرض لینا اور بنک کی جانب سے سود پر قرض دینا جائز کر دیا جائے تاکہ جیسے ہی مالی حالات درست ہو جائیں، اس مکروہ طریق سود مفرد کو بھی بالکل ہی ترک کر دیا جائے۔

اپنی تائید میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ امریکہ و برطانیہ و روس متمول ممالک بھی اس وقت تک بنک سے سُودی لین دین کر رہے ہیں تاکہ یہ ممالک وسیع منصوبوں کی تکمیل کرتے رہیں۔ وہ ان کے منافع سے قلیل رقم سود مفرد ادا کرتے رہیں۔

مجھ کو عرصہ سے حیرت رہی کہ حکومت پاکستان اسلامی سلطنت ہونے اور علماء کے سخت اصرار کے باوجود سُودی کاروبار کی مخالفت نہیں کر رہی ہے۔ بلکہ اُس نے خود اسٹیٹ بنک قائم کر کے سودی کاروبار جاری کر رکھا ہے۔ میرے سامنے قرآن کی اہم ترین آیت آئی کہ جب کبھی کسی بھی مسئلہ میں (چھوٹے سے چھوٹا ہو یا بڑے سے بڑا) اختلاف ہو تو "القرآن" سے اللہ تعالیٰ کا حکم حاصل کیا جائے۔ چنانچہ واضح آیت شریف ہے:۔ "فما اختلفتم فیہ من شئ فحکمہ الی اللہ۔ مِن بیانیہ ہے۔ یعنی بلا تخصیص کوئی بات ہی کیوں نہ ہو ——— میں نہایت مختصر عرض کروں گا۔ اس لئے کہ اس مسئلہ سود پر بے شمار علماء نے مضامین لکھے ہیں خصوصاً مولانا ابوالکلام آزاد نے۔ اور ہمارے ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے بھی، جو نہایت طویل اور ساتھ ساتھ تفصیلی وضاحت سے مکمل۔

القرآن کا مخصوص طریقہ ہے کہ جو خرابی کہ قوم میں طویل عمل کے باعث نہایت پختہ ہو جاتی ہے اس کو یکایک ختم کرنے کا حکم نہیں دیتا بلکہ پہلی مرتبہ اس کی عام خرابی ظاہر کی جاتی ہے اور اس سے نفرت دلائی جاتی ہے اور قوم بطور

خاص عمل کرتی ہے اور خرابی کو قبول کرتی ہے لیکن ترک کرنے کی ہمت نہیں کرتی بلکہ اس کی آرزو کرتی ہے کہ خدائی احکام ہو جائیں تو خود بخود مجبور ہو کر ترک کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ ترغیبی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اور آخر پر قطعی حکم ترک کر دینے کا دیتا ہے۔ چنانچہ عمل زنا سے روکنے کے لئے پہلا حکم "لا تقربوا الزنیٰ"۔ اس کے بعد خاص خاص عورتوں سے نکاح حرام قرار دیا گیا۔ اس کے بعد صرف چار عدد بیویوں کو ایک ہی وقت میں عقد میں لینے کے احکام دیئے گئے۔

بالکل اسی طرح پہلی مرتبہ ربا کو ظلم ظاہر کیا گیا کہ اس عمل سود در سود سے جو دولت میں "اضعافاً مضاعفۃً" کی بڑھوتری دکھتی ہے، وہ حقیقتاً گھن لگا ہوا مٹی کے ڈھیر کے مانند ہے۔ بمقابل اس کے الزکوٰۃ (یہاں بمعنی الصدقات) کے طور پر جو دولت صرف کی جائے، اس کا معاوضہ بھی "اضعافاً مضاعفۃً" حاصل ہوگا۔ لہٰذا مفید طریقہ "الصدقات" کا ہے۔ قوم نے اس پر غور کیا اور سود در سود کے کاروبار کے چلانے والوں میں واضح سخت دلی اور ظلم پایا گیا اور مقروض میں پریشانی اور بےبسی کی حالت۔ پس اکثر و بیشتر افراد قوم اس کے ترک کرنے پر راغب پائے گئے۔ البتہ اللہ کی جانب سے ممانعتی احکام کے منتظر رہے۔

دوسرے قدم پر ممانعتی احکام جاری ہوئے لیکن اس میں ترغیبی پہلو رکھا گیا تاکہ قوم کا زیادہ حصہ اس پر عمل کرے۔ چنانچہ واضح آیت ہے "یا ایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا الربٰوا اضعافاً مضاعفۃً واتقوا اللہ لعلکم تفلحون"۔ پہلی آیت کا تعلق تمام انسانوں کے لئے تھا (کافۃ للناس)۔ لیکن اس آیت کے مخاطب صرف مومنین (مسلمین) ہی ہیں۔ ان کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ ایسا الربا جس کے ذریعہ منافع در منافع (سود در سود COMPOUND INTEREST) حاصل ہو اس کو اختیار نہ کیا جائے تو بہتر ہے۔ چونکہ اس طریق میں سود خوار ظالم ہو جاتا ہے اور مقروض مظلوم۔ اور اللہ کے سامنے اس ظلم کے عمل سے ڈرو اور بچتے رہو۔ بہت ممکن ہے کہ تم کو فلاح اور خوشحالی حاصل ہو۔ بہت فکر و غور و بصیرت سے اس آیت کی فصاحت و بلاغت کو دیکھئے۔ اس آیت کے ذریعہ اس قسم کے ربا (یعنی منافع حاصل کرنے کے طریق کار) کی ممانعتی ترغیب دی گئی ہے کہ جس کے ذریعہ منافع در منافع یعنی سود در سود حاصل ہو۔ یعنی اس قسم ربا کے علاوہ دوسرے اقسام نفع کمانے کے جو بھی ہیں یا ہو سکتے ہیں، ان کی ممانعت بالکل نہیں ہے۔

(اہم نوٹ)۔ اصول قانونی کے لحاظ سے صرف ممنوعہ اشیاء و افعال و اعمال کو ظاہر کیا جاتا ہے چنانچہ آیت "حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر ..... ۵ اور حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم ۵

اور اگر غیر ممنوعہ جائز و حلال اشیاء و اعمال و افعال کے منجملہ کسی کی ممانعت کرنی ہو تو اُس کی صراحت بطور خاص کی جاتی ہے۔
چنانچہ آیت "حرم علیکم صید البر مادمتم حرماً" بوجوہ صد صرف ایسا قرض جس پر نفع "اضعافاً مضاعفۃ" لیا جائے، ممنوع اور حرام قرار دیا گیا یعنی اس کے علاوہ دوسرے اقسام قرض پر نفع کمانا جائز و حلال خود بخود قرار پاتا ہے۔
ایک اہم ترین غلط فہمی یہ ہے کہ جس قرض کو (اگرچہ دوستانہ طور پر اور بلا بدل نفع کے دیا گیا ہو) اگر ظلم سے وصول کیا جائے تو یہ ہم مماثل الربا کے قرار دیا جاتا ہے، میرے نزدیک اس قسم کا ظلم بداخلاقی کے تحت آئے گا۔ اس کی وجہ سے قرض کا دیا جانا کسی طرح بھی الربا کے تحت نہیں آتا۔ ہزاروں مثالیں ہیں کہ ایک ہی نوعیت کی بُرائی مختلف اعمال و افعال کی بناء پر ہوتی ہیں۔ اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ تصفیہ سزا وغیرہ کا۔ مثلاً انسانی جان کا جانا قتل سے خودکشی سے یا اقدام قتل وغیرہ سے۔ متذکرہ صد وجوہ کی بناء پر الربوا بلا "اضعافاً مضاعفۃ" بالکل ہی جائز ہے یعنی "سود مفرد" کا دولت پر حاصل کرنا بالکل ہی جائز اور حلال ہے مختصراً یہ کہ بنک کا کاروبار سودی لین دین کا بالکل ہی جائز اور حلال اور اس کاروبار کے چلانے میں جملہ اشخاص کا کام کاج جائز اور بالکل ہی حلال بلا کسی نقص کے۔ اب غور کیجئے کہ ایک مومن مسلمان جو اپنے سود در سود کے کاروبار کو اس ترغیبی ممانعتی احکام کا اثر لے کر بالکل ہی ترک کر دیتا ہے تو ایسی صورت میں وہ کون سا طریقہ نفع کمانے کا اختیار کرے کہ جس میں نفع یقینی ہو۔ چاہے کم ہی ہو۔ اور نقصان کا ڈر نہ ہو۔ صدقات میں نفع اضعافاً مضاعفۃ یقینی لیکن آخرت میں۔ تجارت میں نقصان کا زیادہ ڈر۔ مکان میں محفوظ رکھنے میں چور ڈاکو کا خوف حضرت خضرؑ کو دیوار درست کرنی پڑی۔ اور خود کی جان کا بھی خوف۔ قرض حسنہ کی واپسی کی توقع یقینی نہیں۔ اب اس مومن مسلمان کے لئے ایک ہی طریقہ نفع کمانے کا رہ جاتا ہے جو کہ "الربوا بلا اضعافاً مضاعفۃ" کے ہو یعنی ربا مفرد کا یعنی عام زبان میں "سود مفرد" کا۔ اور وہ بھی بنک کے ذریعہ تاکہ اس مومن مسلمان کی دولت سے بنک کاروبار کرے۔ اور اس دولت مند کو ہر ختم سال پر برائے نام کا سود مفرد ادا کرے۔ بنک پہلے اپنے اخراجات کاروبار کے منہا کرے گا۔ اس کے بعد کچھ فی صد پس انداز کرے گا اس کے بعد جو کچھ باقی رہے، اس میں سے اس دولت مند کو "نفع" ادا کریگا، جو زیادہ سے زیادہ فی سال فی صد روپیہ بمشکل انتہائی پانچ روپیہ ختم سال پر نفع وصول ہو سکے گا۔ بنک اس دولت مند کی جانب سے اپنے قرض خواہوں سے زیادہ سے زیادہ بارہ روپیہ ختم سال پر نفع حاصل کرے گا پس نتیجہ بالکل واضح ہے کہ دولت مند کو فی ماہ ایک سو روپیہ پر صرف چھ آنے آٹھ پیسے حاصل ہو سکے یعنی روزانہ تقریباً ڈھائی پیسے صرف۔ کیا اس نفع پر "سود" کا لفظ صادق آسکتا ہے۔ ہرگز نہیں اور ہرگز نہیں۔ مقروض حاجت مند اپنی شرمندگی کو دور کرنے کے لئے بخوشی فی سال فی صد روپیہ پر بارہ روپیہ ادا کرتا ہے تاکہ کچھ احسان کا بدل ہو سکے بموجب القرآن "ھل جزاء الاحسان الا الاحسان"۔ ایک بیوقوف سے بیوقوف شخص بھی کیا اس ایک سو روپیہ سے روزانہ صرف ڈھائی پیسے ہی نفع کمایا کرے گا۔ ذرا سوچئے۔ کیا یہ ڈھائی پیسہ فی سینکڑا فی یوم سود مفرد کہلانے کے قابل ہے۔ کیا اس کو سود کا غلیظ اور مکروہ نام دیا جا سکتا ہے۔ ہاں ایک بنیا سود خوار فی روپیہ فی یوم دو آنہ سود

نفع) لیتا ہے۔ اس کو یقیناً سود کہا جائے گا کہ سود در سود سے بھی بڑھ گیا۔ حیدرآباد دکن میں عرب اور پٹھان سے بھی بنیوں کا نمبر بڑھ گیا ہے۔ روزانہ مغرب کی کو قرضدار کے پاس آیا اور اپنا سود دو آنہ فی روپیہ نقد ورنہ کوئی بھی شے دو آنہ قیمت کی لی اور چلتا بنا۔ بہرحال خود آیت "لا تاکلوا الربا اضعافا مضاعفة" سے ہی القرآن اس کو واضح کرتا ہے کہ یہ شاہراہ بند ہے۔ (ROAD CLOSED) کی تختی لٹک رہی ہے۔ پس اس شاہراہ کے علاوہ دوسری کوئی اور شاہراہ اپنی دولت سے نفع حاصل کرنے کے لئے اختیار کی جا سکتی ہے۔ اور آخری آیت میں نہایت واضح طور پر ظاہر کرتا ہے کہ دولت مند کے لئے دوسری راہ تجارت بھی ہے جس سے نفع کمایا جا سکتا ہے۔ اور تجارت کا نفع بالکل ہی جائز اور حلال۔ اس لئے کہ بائع (فروخت کنندہ) نے اپنی شے کی قیمت (جس میں ممکن ہے کہ نفع فی صد ایک پیسہ ہی ہو یا صد فی صد ہو) ظاہر کر دی۔ اب خریدار چاہے اس ثمنیت کو قبول کرے یا نہ کرے۔ ادھر رقم دی اور چیز پر قبضہ اور ملکیت۔ اگر خریدار ادائی میں کچھ مدت کا خواہاں ہے تو اب فروخت کنندہ قیمت میں کچھ زیادتی کر دیتا ہے۔ اگر خریدار قبول کرے تو اب یہ قیمت آئندہ کے لئے قائم (یعنی راس المال مستقلاً قائم)۔ اگر بعد میں مزید مدت بھی لی گئی تو قیمت میں بھی (بعد کی قائم) کسی قسم کا اضافہ نہیں چاہے مدت کتنی ہی ہو جائے۔ بائع کبھی بھی ایک پیسہ زیادہ کا طلبگار نہ ہوگا۔ اور اگر مقدمہ عدالت میں جائے (عدم ادائی کی وجہ سے) تو عدالت میں اسی بعد کی قیمت کا دعوی کیا جائے گا۔ راس المال میں اضافہ نہیں۔ لیکن سود در سود کے معاملہ میں ہر مدت کے اضافہ کی صورت میں بعد کے راس المال میں اضافہ ہوتا جائے گا یہاں تک کہ چند سال کے بعد بہت ممکن ہے کہ صرف سود کی رقم اصل راس المال سے بھی بڑھ جائے۔ یہی وجوہ واضح ہیں کہ جب کہا گیا کہ جس طرح تجارت کے مال پر نفع حاصل ہوتا ہے اُسی طرح قرض کی رقم پر بھی پس دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ یہ اس بے سمجھی اور کم عقلی کے الفاظ سن کر اللہ تعالے نے نہایت غصہ کا اظہار کرتے ہوئے کسی طرح حجت دئیے بغیر حکم قطعی دے دیا کہ "احل اللہ البیع وحرم الربٰو"۔ البیع میں تو نفع کی حد نہیں۔ لیکن بنک کے ذریعہ ایک دولت مند جو حاجت مند کی ضرورت کو پورا کرتے ہوئے ایسا قرض حسنہ دیتا ہے کہ جس میں "بدل حسنہ" سود مفرد کی مقدار فی سو روپیہ پر فی یوم ایک آنہ اور کچھ پیسے۔ یا فی سال فی صد روپیہ پر صرف بارہ روپیہ بدل حسنہ لیا جائے جس میں بنک کے کاروبار اخراجات شامل۔ کچھ پس انداز شامل اور خود دولت مند کے لئے ختم سال پر صرف پانچ روپیہ نفع ـــــ اب میں زیادہ عرض کرنا نہیں چاہتا۔ البتہ شکایت ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب سے ہے کہ جب ان کو اس کا یقین ہے کہ مسلم معاشرہ (مسلم حکومتیں) اس قدر اپنی ضرورتوں کے تحت مجبور ہیں تو صاف فرما دیں کہ جس طرح کسی مجبوری کی وجہ سے جب وضو نہیں ہو سکتا تو تیمم بالکل ہی جائز اور ادائیگی نماز میں کسی قسم کا نقص نہیں اور ایسے امام کے پیچھے جماعت کی نماز بلا نقص مکمل۔ مسلمانوں میں "سود" کا لفظ "سور" کے لفظ سے بھی زیادہ قابلِ نفرت اور منحوس۔ لہذا اخلاقاً نفسیاتی تحریک ہے کہ بنک کا قرض "قرضِ حسنہ" اور بنک کا سود "بدلِ حسنہ" کا استعمال ہوا کرے۔ لفظ سود بالکل حذف۔ مجھے یقین ہے کہ جدید الفاظ کا استعمال ہو تو سمجھدار کے لئے ایک نئی روح کا کام نفسیاتی طور پر دے گی اور بنک کا پورا کاروبار حسنِ معاشرہ قرار پا جائے گا۔ ادباً آخری التجا ہے کہ صرف "عقلِ سلیم" (COMMON SENSE) کو ضرور پیشِ نظر رکھا جائے۔ "اعملوا ما شئتم"۔ اب آپ کو اختیار جیسا چاہیں عمل فرمائیں اور مجھ فردِ مسلم کی حد تک "وما علینا الا البلاغ"۔ والسلام۔

سید محمد مکرم ۔ ۱۲۳/۴ ڈرگ کالونی۔ کراچی ۲۵